Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:9-10 (1966)

انتخاب

چوتھی صدی ہجری میں

عراق اور مغربی ایران کی مذہبی و ادبی صورت حال

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ادارہ علومِ اسلامیہ کے "مجلہ علوم اسلامیہ" میں ڈاکٹر محمد عبدالحق ریسرچ اسسٹنٹ ادارہ علومِ اسلامیہ نے اُوپر کے عنوان کے تحت ایک طویل مقالہ سپرد رقم کیا ہے۔ جس میں موصوف نے چوتھی صدی ہجری میں عراق اور مغربی ایران کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی اور ادبی صورت حال پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"اسلامی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کو مخصوص اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس صدی میں عروج و زوال، ترقی اور انحطاط کے رجحانات یکساں طور پر نمایاں ہیں۔ جہاں ایک طرف علم و فن، آرٹ اور ادب، سائنس و حکمت میں حیرت انگیز ترقی نظر آتی ہے، وہیں دوسری طرف سیاسی انتشار، معاشی بحران، سماجی ابتری اور اخلاقی انحطاط مایوس کن حدود کو پہنچے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ کلیہ اس دور کے سارے اسلامی ممالک پر یکساں صادق نہیں آتا، لیکن کم و بیش ہر جگہ ہی دونوں طرح کے رجحانات نمایاں تھے..."

اس طویل مضمون سے چند اقتباسات جن میں ان ملکوں کی مذہبی اور ادبی حالت سے بحث کی گئی ہے، یہاں دیئے جاتے ہیں۔ (مدیر)

مذہب اور فلسفہ

اخلاقی زندگی دو ستونوں پر قائم ہے۔ ایک خارجی ماحول یعنی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی کا نظام اور دوسرا نظریہ حیات جس کا انحصار مذہب اور فلسفہ پر ہوتا ہے۔ پہلے عنصر کا جائزہ کسی قدر تفصیل سے لیا جا چکا ہے۔ اب دوسرے عنصر کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

چوتھی صدی میں علم وفن، سائنس اور حکمت میں بے انتہا ترقی ہوئی۔ علومِ دینیہ میں ترقی اس ہمہ گیر علمی ترقی کا ایک پہلو ہے۔ قرآن وحدیث، کلام اور اصولِ دین، فقہ اور اصولِ فقہ میں بلند پایہ اہلِ علم اور گراں قدر تصنیفات کی اس صدی میں کثرت ہے اور نہ صرف خالص دینی علوم بلکہ ان علوم میں بھی غیر معمولی ترقی ہوئی جو ذرائع اور وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی نحو وصرف اور بلاغت وغیرہ۔

عراق اور بالخصوص بغداد علماء اور فقہاء کا مرکز تھا۔ امام ابوالحسن اشعری نے ۳۲۴ھ میں انتقال کیا۔ ان کے مذہب کو ترقی دینے والے اور ان کے فکر کی اشاعت کرنے والے بہت سے نامور افراد اس صدی میں پیدا ہوئے جن میں قاضی ابوبکر باقلانی کا نام سرفہرست ہے۔ باقلانی بصرہ کے رہنے والے تھے لیکن انھوں نے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اشعری کلام کے امام اور بہت سی بلند پایہ تصانیف کے مالک تھے۔ ابوالحسن عبیداللہ الکرخی جلیل القدر فقیہ تھے۔ مؤرخین نے آپ کا شمار آئمہ مجتہدین میں کیا ہے۔ وہ اپنے دور کے فقہائے احناف کے امام تھے۔ انہوں نے ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی تصنیفات میں "شرح الجامع الصغیر" اور "شرح جامع الکبیر" بہت مشہور ہوئیں! ابوالحسن علی بن احمد بغدادی جو ابن القصار کے نام سے مشہور ہیں اس دور کے فقہائے مالکیہ میں ممتاز تھے۔ بغداد میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ انھوں نے ۳۹۸ھ میں انتقال کیا۔ ابواسحاق مروزی اپنے زمانہ میں فقہ شافعی کے امام تھے! انھوں نے عراق میں طویل مدت تک قیام کیا اور امام شافعی کے مذہب کی تبلیغ کی! اس دور کے محدثین میں حافظ ابوالحسن دارقطنی کا مقام بہت بلند ہے۔ بغداد کے ایک محلہ دارقطن میں ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ دارقطنی یکتائے روزگار تھے۔ حدیث، علل حدیث اور اسمائے رجال کے علم کا اس دور میں آپ پر خاتمہ ہوگیا۔

علاقہ جبل کے مشہور اصحاب علم میں ابن فورک الاصفہانی، ابوحاتم رازی، ابوبکر جصاص رازی بہت نمایاں تھے۔ ابن فورک ادیب، متکلم، اصولی، واعظ اور نحوی تھے۔ انھوں نے اصول دین، اصولِ فقہ اور قرآن کے معانی پر بہت سی بلند پایہ تصانیف چھوڑی ہیں۔ ۴۰۶ھ سال وفات ہے۔ ابوحاتم رازی نے جرح وتعدیل وتفسیر وعقائد میں کئی کتابیں لکھیں۔ انھوں نے ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔ ابوبکر جصاص اپنے

زمانے میں احناف کے امام شمار ہوتے تھے۔ "احکام القرآن"، "شرح مختصر الکرخی"، "شرح مختصر الطحاوی" وغیرہ آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ آپ نے ۳۷۰ھ میں انتقال کیا۔

فارس وشام، مشرق و مغرب کے علماء، فقہا اور متکلمین کا ذکر یہاں نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیلات کے لئے دوسری کتابوں[1] کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ یہاں عراق اور ایران کے بعض اہم افراد کا ذکر کر کے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام میں اس صدی میں غیر معمولی ترقی ہوئی، جس کی نظیر کم ملتی ہے۔ مگر اس غیر معمولی ترقی کے باوجود دین کی اصل روح کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ خوفِ خدا، تقویٰ، جذبۂ جہاد اور جذبۂ عشق کم ہوتا جا رہا تھا۔ لذت طلبی کا میلان کم نہیں ہو رہا تھا۔ اخلاقی انحطاط اور روحانی زوال کے آثار نمایاں تھے۔

تصوف مذہب کی حقیقی روح کے ضعف اور لذت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان کے خلاف ایک زبردست ردِّ عمل تھا۔ اسلام کی صحیح روح کو زندہ کرنے کی یہ عظیم کوشش تھی۔ لیکن زمانے کے سیاسی حالات نے اس کو بےحد متاثر کیا۔ ابتدا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ غالب تھا لیکن بعد کے صوفیوں میں کم ہوتا چلا گیا۔ اور ارشاد وتعلیم نے اس کی جگہ لے لی۔ پہلے دور کے صوفیانہ رجحان رکھنے والے اقتدار سے ٹکرا جاتے تھے لیکن بعد کے صوفیائے کرام میں گوشہ گیری کا میلان پیدا ہو گیا۔ حالات پر صبر، امور دنیا سے بے تعلقی اور زہد و تقشف کے مقابلہ میں دین کے دوسرے اجزاء کی اہمیت کم ہو گئی۔

دین کا ایک نیا تصوّر ابھر رہا تھا جسے اللہ کی معرفت کہا جا سکتا ہے۔ اس تصوّر کا اصل زور دل و دماغ کی تطہیر، ذکر الٰہی کی کثرت و مزاولت کے ذریعہ امورِ غیب اور حقائق روحانیہ کے انکشاف پر تھا۔ توحید کا ادراک اور اس ادراک میں جذباتی فنائیت معراج انسانی قرار پایا۔ یہی دین کے سارے امور و احکامات ضوابط و قواعد کا ماحصل قرار پایا۔ یہ تصور کسی قدر اختلاف کے ساتھ کلام اور فلسفہ کا بھی حاصل تھا۔ کلام کی غایت حقائق دینیہ کا عقلی فہم اور فلسفہ کا مقصود حقائق ازلیہ کا ادراک اور تشبیہ تھا۔ فلسفہ اور تصوف میں اصل فرق طریق کار کا تھا۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو جرجی زیدان، "تاریخ الادب العربیہ جلد دوم اور حافظ غلام مرتضیٰ، "اسلامی دنیا چوتھی صدی میں" الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد۔

[2] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو غزالی، میزان العمل (المطبعۃ العربیہ، مصر ۱۳۴۳ھ) ۱۴، ۳۰، ۳۴ اور مابعد۔

ہر نئی تحریک کی طرح ابتدا میں تصوف کے مزاج میں شدت تھی۔ چنانچہ سلفی فکر سے اس کا تصادم ہوا۔ حسین بن منصور حلاج کا واقعہ اس کی نمایاں مثال ہے۔ حلاج کا واقعہ حضرات صوفیا کے لئے ایک سبق تھا۔ چنانچہ تصوف کو قرآن وسنّت سے ہم آہنگ کرنے کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ ابونصر سراج کی کتاب "اللمع" ابوطالب مکی کی "قوت القلوب" ور بوبکر کلاباذی کی "التعرف لمذاہب اہل التصوف" قرآن وسنت اور تصوف میں توافق پیدا کرنے کی بہترین کوششیں ہیں۔ تصوف کی یہ تینوں بلند پایہ تصنیفیں اسی صدی کی ہیں۔

کلام کا مقصد عقل کی تسکین اور عقائد پر اطمینان پیدا کرنا تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ اس دور میں باقلانی، ابواسحاق اسفرایینی، ابن فورک، ابومنصور ماتریدی جیسے آئمہ نے کلام کو بہت زیادہ ترقی دی، پھر بھی عقل کو سکون نہ مل سکا۔ خود سلف کا ایک معتدبہ گروہ اشعری کلام کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ حنابلہ اشاعرہ کو خفیہ قسم کا معتزلہ سمجھتے تھے۔ عراق میں اشعری کلام کو چوتھی صدی کے آخر تک تفوق نصیب نہیں ہوا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ خطیب بغدادی (۳۹۲-۴۶۳ھ) جیسی شخصیت کو بغداد کے جامع مسجد میں داخلہ سے روک دیا گیا تھا۔ کیونکہ ان پر اشعری رجحانات رکھنے کا الزام تھا۔[۳]

اشعری کلام سے صوفیا اور فلاسفہ دونوں مطمئن نہ تھے۔ پانچویں صدی میں امام غزالی نے کلام کے بارے میں اپنی بے اطمینانی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ "پھر میں نے علم کلام کا مطالعہ شروع کیا اور اس کی تحصیل کی۔ میں نے متقدمین محققین کی کتابیں پڑھیں اور خود اس فن میں کتابیں لکھیں۔ میرے نزدیک کلام اپنے مقصد میں کامیاب تھا۔ لیکن میرے مقصد کے لئے کافی نہ تھا۔ متکلمین کے دعوؤں کی بنیاد ایسے مقدمات پر تھی جن کو انھوں نے اپنے مخالفین سے اخذ کئے تھے۔ اور جن کے تسلیم کرنے کی وجہ یا تو تقلید تھی یا اجماع امت یا محض قرآن وحدیث۔ متکلمین کی بیشتر کوشش مخالفین کے دلائل میں تناقض کی نشاندہی کرنے یا ان کے مسلمات کے لوازم ونتائج سے ان کو قائل کرنے پر مرکوز تھی۔ مگر اس طرح کی کوشش اس شخص کے لئے مفید نہیں ہو سکتی جو ضروریاتِ عقلیہ کے علاوہ اور کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ کلام میرے لئے کافی نہیں تھا۔ اس میں میرے درد کا درماں نہ تھا۔ جب کلام میں ترقی ہوئی، غور وفکر بڑھا۔ تو متکلمین نے زمانہ کے گذرنے کے ساتھ سنت کی مدافعت کے لئے حقائق امور کی بحث شروع کر دی۔ جواہر واعراض

[۳] ADAM METZ, P. 205

اور ان جیسے دوسرے مسائل نکل آئے۔ لیکن چونکہ یہ بحثیں کلام کے مقصد میں شامل نہیں تھیں۔ اس لئے متکلمین ان میں گہرائی میں اتر نہ سکے۔ جبرت کی تاریکی مٹ نہ سکی اور حقیقت سے محرومی باقی رہی"۔ [۴]

فلاسفہ کلام کو بے حقیقت سمجھتے تھے اور اس کے شدید مخالف تھے۔ سلیمان منطقی کلام کو سفسطہ قرار دیتا تھا [۵]۔ ابوحیان توحیدی نے متکلمین کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے: "اسلام ساری خوبیوں کا جامع تھا۔ اس کا باطن بھی اچھا تھا اور ظاہر بھی۔ وہ اسی حال پر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس قوم (متکلمین) نے کلام کیا، شبہات پیدا کئے، دلائل قائم کئے۔ اور صالح ذہنوں اور قلوبِ سلیمہ میں آگ بھڑکا دی اور لوگوں کو انکارِ ایمان پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھے"۔ [۶]

ان حالات میں بعض ذہنوں میں شک و ریب کا پیدا ہونا غیر متوقع نہ تھا۔ ابوبکر رازی (۲۵۱-۳۱۱ھ) جیسا سائنسدان، طبیب حاذق اور فلسفی تشکیک میں گرفتار تھا۔ نبوت و آخرت پر سے اس کا یقین جاتا رہا تھا۔ یہی حال ابوالعلاٗ المعری (م ۴۴۹ھ) کا تھا۔ ابوالعلاٗ کے دل سے اسلامی روایات، عقائد و اقدار کا احترام اٹھ گیا تھا۔ خود اس کے سامنے کوئی راہ نہ تھی۔ ماحول کی خرابیوں اور برائیوں نے اسے قنوطی بنا دیا تھا۔ اس کی شاعری اور تصنیفات میں تشکیک اور قنوطیت کے عناصر نمایاں ہیں۔ مذہبی اختلافات اور فقہی مذاہب کے باہمی جھگڑوں نے اس رجحان کو پروان چڑھایا۔ ایک واقعہ سے ان جھگڑوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مغربی ایران کے مشہور شہر "رے" میں حنفی، شافعی اور شیعہ سبھی رہتے تھے۔ اور باہم لڑا کرتے تھے۔ ایک بار حنفیوں اور شافعیوں نے مل کر شیعوں کو شہر سے نکال دیا۔ جب وہ نکل گئے تو یہ خود آپس میں لڑنے لگے۔ [۸]

---

[۴] المنقذ من الضلال، المطبعۃ المحمودیۃ التجاریہ بمصر: ۷-۸، [۵] ابوحیان التوحیدی: المقابسات، (بمبئی) ۴۲
[۶] البصائر والذخائر ۲: ۳۶؛ الإمتاع والمؤانسۃ ۱: ۱۴۶ میں لکھتا ہے "وارجو الا اخرج من الدنیا حتیٰ اریٰ بنیانھم متضعضعاً ومساکنھم متجعجاً"۔ [۷] احمد امین: ظہر الاسلام ۲: ۱۸۱-۱۸۲
[۸] ایضاً ۱: ۸۰-۸۱

مروی ہے کہ جب محمد بن جریر طبری کا انتقال ہوا (۳۱۰ھ) تو انہیں رات میں دفن کیا گیا۔ کیونکہ عوام جمع ہو گئے اور انھوں نے جنازے کو دن میں دفن ہونے نہیں دیا۔ محمد بن جریر طبری پہ رفض اور الحاد کا الزام تھا (تجارب الامم ۱: ۸۴)

کندی اور فارابی نے جس فلسفیانہ نظام کی تشکیل کی وہ امت مسلمہ کے عقائد، اقدار، جذبات و احساسات کا صحیح ترجمان نہ تھا۔ خدا کی ذات وصفات کے بارے میں ان کے خیالات اور معتزلہ کے عقائد میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ خدا اور انسان کے درمیان جس گہرے تعلق پر مذہب کی عمارت اٹھتی ہے اس کی استواری اس فلسفیانہ نظام میں ممکن نہ تھی۔ اس میں نبوت اور وحی کی جو تعبیر پیش کی گئی تھی ـــــــ وہ عامۃ المسلمین کے لئے قابل قبول نہ تھی۔ مذہب اور شریعت سے فلسفہ کی بے نیازی کا جو تصور اس میں داخل تھا وہ اسلامی عقائد سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا تھا۔ آخرت، حشر اجساد اور عذاب وثواب اخروی کے بارے میں فلاسفہ کے جو خیالات تھے، وہ عام مسلمانوں کے لئے انتہائی پریشان کن تھے۔[۹]

اخوان الصفاء نے یہ دعویٰ کیا کہ "شریعت حقہ میں غلط اور لغو باتیں داخل ہوگئی ہیں۔ اسلئے شریعت کو ان سے پاک کرنا چاہیئے اور اس کی صورت یہ ہے کہ شریعت کی تعبیر فلسفہ یونانی کی روشنی میں کی جائے۔[۱۰] لیکن اس مقصد کے پیش نظر اخوان نے جو رسائل لکھے ان سے دین کی تفہیم وتائید کی بجائے الٹا اس کے اصولوں کو نقصان پہنچا۔ درحقیقت شریعت اور فلسفہ کے امتزاج کا خیال صرف ایک اوٹ تھا جس کی آڑ میں اخوان اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ ابوحیان لکھتا ہے کہ اس نے اس گروہ کے [illegible] ارکان اسلام کی پابندی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ نہ قرآن وسنت کے وفادار تھے اور نہ ہی فرائض وواجبات کی کوئی پرواکرتے تھے۔[۱۱]

ابوسلیمان منطقی فارابی کے مکتب فکر کا امام تھا۔ شریعت اور فلسفہ کے امتزاج کے نظریہ کا وہ شدید مخالف تھا اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کا قائل تھا۔ اس کے خیال میں شریعت اور فلسفہ دونوں صداقت تک پہنچنے کی دو الگ الگ راہیں تھیں اور دونوں کا صداقت کے بیان اور ابلاغ کا طریقہ بھی مختلف تھا۔[۱۲] اخوان الصفاء کی کوششوں کے بارے میں ابوسلیمان کا خیال تھا کہ "انھوں نے اپنے فکر کی تشکیل میں بڑی ریاضت کی ہے۔ لیکن ناکامی کے سوا انہیں کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ یہ گروہ صداقت کے گرد طواف

---

۹ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو امام غزالی: تہافت الفلاسفہ اور ابن تیمیہ: الرد علی المنطقیین و نقض المنطق

۱۰ ابوحیان التوحیدی: الامتاع والموانسۃ ۲ : ۵

۱۱ ایضاً ۲ : ۱۴ ۱۲ ایضاً ۲ : ۱۸

ہی میں لگا رہا۔ کبھی اس کے اندر داخل نہ ہو سکا۔"[۱۳] اسی طرح ابوحیان توحیدی اخوان کے فلسفہ کو اساطیر اور خرافات سمجھتا تھا۔[۱۴]

فلسفہ عملی یعنی سیاسی اور سماجی فکر کے بارے میں با اقتدار افراد کی رائے اچھی نہ تھی۔ ابوحیان سے عضدالدولہ کے وزیر ابن سعدان نے دریافت کیا۔ "بہترین حکومت کون سی ہے"۔ ابوحیان نے جواب میں افلاطون اور فارابی کا نظام تجویز کیا۔ ابن سعدان نے اس پر یہ جملہ کہا۔ "فلاسفہ دنیا کے سب سے زیادہ خیالی اور غیر حقیقت پسند افراد ہوتے ہیں"۔[۱۵]

علمی اور ادبی ترقی

سیاسی انتشار، اقتصادی زبوں حالی، اخلاقی اور سماجی انحطاط کے بالکل برعکس اس صدی میں علم و فن، آرٹ اور ادب، طبّ اور سائنس میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔

فلسفہ میں کندی اور فارابی نے جو بلند روایات قائم کی تھیں انہیں اس صدی میں یحییٰ بن عدی[۱۶]، ابوسلیمان منطقی اور مسکویہ نے زندہ رکھا۔ فلسفہ اور حکمت کی مختلف شاخوں میں ان مفکرین نے نئے نئے اضافے کئے۔ اس دور کا فلسفہ ابن سینا (م۔ ۴۲۸ھ) کے فکری نظام میں نقطۂ عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ یونانی فلسفہ اور حکمت کی بہت سی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔ بعض سریانی ترجموں سے اور بعض براہِ راست اصل یونانی کتابوں سے شرحیں، تفسیریں اور حاشیے بھی لکھے گئے۔ اخوان الصفاء کی کوشش اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ انھوں نے اپنے دور کے علم و حکمت کو اپنے رسالوں میں یکجا کر دیا۔ ان کے رسائل علم و حکمت کے دائرۃ المعارف ہیں۔

ادب اور سائنس میں فلسفہ سے زیادہ ترقی ہوئی۔ امراء اور وزراء کے زیر سرپرستی طب،

---

[۱۳] ایضاً ۲ : ۶ [۱۴] ایضاً ۲ : ۵-۶

[۱۵] ایضاً ۱ : مقدمہ

[۱۶] یحییٰ بن عدی بن حمید زکریا تکریت میں پیدا ہوا۔ بڑا ہونے پر بغداد چلا گیا۔ فارابی سے منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ افلاطون کے (LAWS) کو سریانی ترجمہ سے عربی میں منتقل کیا اور "تہذیب الاخلاق" نام کی ایک کتاب لکھی جو "رسائل البلغاء" میں شامل ہے۔ یحییٰ بن عدی نے ۳۶۵ھ/۹۸۵ء میں وفات پائی۔

فلکیات اور ریاضی میں جو ترقی اس دور میں ہوئی اس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خلافتِ عباسیہ کا شیرازہ بکھرا تو مختلف اسلامی ریاستوں میں علمی مراکز قائم ہو گئے۔ پہلے بغداد ہی سیاسی، علمی اور ادبی مرکز تھا اب ہر ریاست میں ایسے مراکز بن گئے جنہوں نے بغداد کی علمی اور ادبی روایات کو برقرار رکھا اور پروان چڑھایا۔

بنو بویہ خلافت عباسیہ کے بہت بڑے حصے پر قابض تھے۔ اسی نسبت سے علم و ادب کی سرپرستی اور خدمت میں ان کا حصہ دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔ بنو بویہ کی یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ انہیں ایسے وزراء ملتے رہے جو خود ذی علم، بلند پایہ ادیب اور انشا پرداز تھے۔ المہلبی [۱۷]، ابن العمید [۱۸] اور

[۱۷] ابو محمد الحسن بن محمد المہلبی بصرہ کا رہنے والا تھا۔ ۹۰۳ء میں پیدا ہوا۔ معزالدولہ نے ۹۵۰ء میں اسے وزیر بنایا۔ مہلبی جامع الصفات تھا۔ وہ ایک کامیاب وزیر، ایک اچھا انشا پرداز اور صاحب علم تھا۔ اس کے یہاں اہل علم اور اصحابِ فن کی بڑی قدر تھی۔ اس نے جن ممتاز شخصیتوں کی سرپرستی کی۔ ان کی فہرست طویل ہے۔ ان میں مسکویہ، ابوالفرج اصفہانی۔ ابن قریعہ اور قاضی تنوخی نمایاں ہیں۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "الادب فی ظل بنی بویہ" ص ۱۳۲ - ۱۳۴ - مہلبی نے ۳۵۲ھ/ ۹۶۳ء میں وفات پائی۔

[۱۸] محمد بن الحسین ابو الفضل ابن العمید رے میں رکن الدولہ کا وزیر تھا۔ وہ ایک اچھا منتظم اور قائد تھا۔ عضد الدولہ نے اس سے انتظامِ حکومت کے طریقے سیکھے۔ ابن العمید علم و ادب کا بھی بڑا قدردان اور سرپرست تھا۔ خود صاحبِ طرز انشا پرداز اور مکتوب نگار تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ مکتوب نگاری عبد الحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہو گئی۔ اس کے خطوط کا ایک بڑا مجموعہ موجود ہے۔ اس نے ۳۶۱ھ/ ۹۷۱ء میں انتقال کیا۔

الصاحب بن عباد[19] کا نام سرفہرست ہے۔ بنو بویہ کے سلاطین بڑے صاحب ذوق تھے۔ بختیار خود شاعر تھا اور عضدالدولہ کی سرپرستی میں ریاضی، طب، تاریخ، جغرافیہ اور فلکیات کو بے حد ترقی ہوئی۔ شیراز اور بغداد میں اس نے دو بڑے شفاخانے قائم کئے جن میں بیک وقت سینکڑوں مریضوں کے لئے چارپائیاں موجود تھیں۔ ان شفاخانوں میں کئی ڈاکٹر تھے۔ آلات جراحی، دواؤں اور طبی ضروریات کے دوسرے سامانوں کی ان میں کوئی کمی نہ تھی۔ ان شفاخانوں سے متعلق اطباء نے ایک مکتب طب قائم کر لیا تھا، جس کے زیر اہتمام طب میں نئی تحقیقات ہوتیں اور کتابیں مرتب کی جاتی تھیں[20]

عضدالدولہ نے فقہا، مفسرین، محدثین، متکلمین، شعراء، نحوین، نسابین، اطباء، منجمین، ماہرین ریاضی، مہندسین اور انجنیروں کے لئے وظائف مقرر کئے۔ ہر باصلاحیت فرد کو اپنی صلاحیتوں کے اجاگر کرنے اور ترقی دینے کا موقع تھا۔ جن اہل علم و دانش کی عضدالدولہ نے سرپرستی کی ان کی فہرست طویل ہے۔ چند ممتاز شخصیتوں کے نام یہ ہیں۔ نحویوں میں ابوعلی الفارسی[21]

---

[19] ابوالقاسم اسماعیل بن عباد ۹۳۸ء میں پیدا ہوا۔ ابن العمید کے زمانۂ وزارت میں کاتب تھا۔ اس کی صحبت میں رہنے سے "الصاحب" کے لقب سے مشہور ہوا۔ ابن العمید ثانی کے بعد معزالدولہ نے اسے وزیر بنا دیا۔ سرکاری مکتوب نگاری کی حیثیت سے اس کی بڑی شہرت ہوئی۔ اس کے دور میں تین بڑے انشا پرداز گزرے ہیں۔ ایک ابن نباتہ دوسرا ہلال الصابی اور تیسرا وہ خود تھا۔ نحو میں اس نے ایک مشہور کتاب "المحیط" لکھی اور دوسری "کتاب الکافی" مکتوب نگاری کے فن میں تحریر کی۔ جن علمی اور ادبی شخصیتوں کو اس کی سرپرستی حاصل رہی ان میں ابوالحسن السلامی، ابوبکر خوارزمی، شہرزوری وغیرہ ممتاز ہیں ۳۸۵ھ/۹۹۵ء میں وفات پائی۔

[20] INDO IRANICA ۳/۱۳ : ۳۳-۳۴

[21] ابوعلی الفارسی ۹۰۱ء میں پیدا ہوا۔ ۹۱۷ء میں بغداد گیا۔ اور نحو کا درس دیتا رہا۔ ابوعلی نحوی کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ سیف الدولہ کی دعوت پر حلب گیا۔ اس کی بڑی عزت ہوئی۔ لیکن حلب اسے پسند نہیں آیا۔ اور عضدالدولہ کی دعوت پر بغداد چلا آیا۔ عضدالدولہ اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ "میں نحو میں ابوعلی کا غلام ہوں"۔ ابوعلی نے ۳۷۷ھ/۹۸۷ء میں وفات پائی۔

ابوسعید السیرانی [22] اور عثمان بن جنی [23] - منجموں میں عبدالرحمٰن صوفی [24] اور ابن الأعلم [25]، ریاضی دانوں میں ابو القاسم الانطاکی [26]، اطباء میں جبرئیل بن عبیداللہ بختیشوع [27] اور ابوالخیر [28]، شعراء میں ابوالحسن محمد بن عبداللہ السلامی [29] اور

---

[22] ابوسعید الحسن بن عبداللہ بن مرزبان السیرانی ۹۰۳ء میں پیدا ہوا۔ وہ مشہور عالم نحو ابن درید کا شاگرد تھا۔ اس نے ابوبکر بن مجاہد اور ابن السراج سے مختلف علوم حاصل کئے۔ نوح بن منصور ابوسعید کو فقہ کا امام سمجھتا تھا۔ سیبویہ کی "الکتاب" کی اس نے شرح لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔ اس نے ۳۶۸ھ/۹۷۸ء میں وفات پائی۔

[23] ابوالفتح عثمان ابن جنی موصل میں پیدا ہوا۔ ابوعلی الفارسی سے نحو سیکھی اور موصل میں نحو کا درس دینے لگا۔ ابوعلی کے انتقال پر اس کی مسند نحو پر فائز ہوا۔ متنبی نے کہا ہے کہ "ابن جنی کی عظمت سے بہت کم لوگ واقف ہیں"۔

[24] - عبدالرحمٰن بن عمر بن سہل الصوفی رے کا رہنے والا تھا۔ بعد میں بغداد آیا۔ عضدالدولہ نے اس کی بڑی قدر افزائی کی۔ عبدالرحمٰن نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس کی "الکوکب الثابتہ" بہت مشہور ہے۔ جس کو سارٹن نے مسلم فلکیات کی تین امہات کتب میں شمار کیا ہے۔
(History of Science (1953) I, 666) عبدالرحمٰن صوفی نے ۹۸۶ء میں انتقال کیا۔

[25] علی بن الحسن العلوی ابوالقاسم ابن الأعلم بغداد میں پیدا ہوا۔ عضدالدولہ کی سرپرستی میں علم نجوم کی خدمت کی۔ بعض نجومی جداول مرتب کئے جو القفطی (م ۱۲۴۸ء) کے زمانہ تک مستعمل رہے اس نے ۳۷۶ھ/۹۸۷ء میں انتقال کیا۔

[26] علی بن احمد ابوالقاسم الانطاکی عضدالدولہ کے دربار کا مشہور ریاضی دان تھا۔ اس نے اقلیدس کی شرح لکھی اور ریاضی میں کتابیں تصنیف کیں۔ ۳۳۰ھ/۹۴۱ء میں وفات پائی۔

[27] بختیشوع طب میں اپنی کتاب "الکافی" کے لئے مشہور ہے۔ اس کا ایک نسخہ اس نے بغداد کے دارالعلم کو پیش کیا تھا۔ اس نے ۳۳۰ھ/۹۴۱ء میں وفات پائی۔

[28] ابوالخیر عضدی شفاخانہ کا مشہور جراح گزرا ہے۔

[29] محمد بن عبداللہ ابوالحسن السلامی بغداد میں پیدا ہوا۔ بعد میں اصفہان چلا گیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ابن نباتہ السعدی[۳۰] بہت مشہور ہیں۔ عضد الدولہ نے ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ کتب خانوں کا قیام علم و فن کی سرپرستی اور ادب و حکمت کی قدر دانی کے لوازم میں داخل تھا۔ سابور[۳۱] نے کتب خانہ کے علاوہ ۳۸۳ھ میں ایک دار العلم بھی بنوایا جس میں مختلف علوم کے ماہرین اپنے اپنے مضامین پر لیکچر دیتے تھے۔ ان لیکچروں میں شرکت کی عام اجازت تھی۔ لیکچروں کے علاوہ مختلف علمی اور ادبی موضوعات پر مذاکرے بھی ہوتے تھے۔ ابو العلاء المعری جب ۳۹۹ھ میں بغداد آیا تو اس دار العلم کے مجلس مذاکرہ میں بھی شریک ہوا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس مذاکرہ کے بعد اسے ایک خوش الحان مغنیّہ کے سرود سے محظوظ ہونے کا بھی موقع ملا۔[۳۲]

امراء اور وزراء کے درباروں سے الگ بھی اہل علم و فن کی ایک بڑی جماعت اپنے اپنے فن کی خدمت میں مصروف تھی۔ اگرچہ اس جماعت کو بڑے صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اس کے باوجود ان اصحابِ عزیمت نے بڑی بڑی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ

---

* اور الصاحب بن عباد سے متعلق ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد عضد الدولہ نے اسے اپنے ندماء میں شامل کر لیا۔ سلامی کو عراق کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ دس سال کی عمر سے ہی سلامی نے شاعری شروع کر دی تھی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ موصل کے نامور شعراء میں شمار کیا جانے لگا۔ الصاحب بن عباد کو اس کے اشعار بہت پسند تھے۔ ۹۴۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۰۳ء میں انتقال کیا۔

[۳۰] ابن نباتہ السعودی ۹۳۸ء میں پیدا ہوا۔ اس نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا۔ آخر میں وہ ابن العمید کے دربار سے متعلق ہو گیا۔ اس نے ابو العمید کی مدح میں قصائد لکھے۔ وہ اپنے زمانہ کے شعراء کا امام سمجھا جاتا تھا۔ اس نے دیوان کے علاوہ مقالات کا ایک مجموعہ بھی چھوڑا ہے۔ اس نے ۱۰۱۵ء میں وفات پائی۔

[۳۱] ابو نصر سابور بن اردشیر بہاؤ الدولہ کا وزیر تھا۔ سابور صرف ایک اچھا وزیر ہی نہیں تھا ایک بڑا عالم بھی تھا۔ علم و ادب کی سرپرستی میں اسے امتیاز حاصل تھا۔ بغداد میں جو کتب خانہ اس نے قائم کیا تھا وہ طغرل بیگ کے حملہ تک باقی رہا۔ اس نے ۱۰۲۵ء میں انتقال کیا۔

[۳۲] INDO IRANICA ۱۳/۳ : ۴۱

مختلف فنون میں رسالے ترتیب دیئے گئے۔ اخوان الصفاء کے رسائل اور ابن الندیم (م ۳۸۵ھ) کی فہرست اس کی مثالیں ہیں۔ اس طرح کا لٹریچر علم و فن کی ترقی اور پختگی پر دلالت کرتا ہے۔

چوتھی صدی میں مغربی ایران اور عراق بالخصوص بغداد کے حالات اور رجحانات کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے۔ مسکویہ کے خیالات و افکار اور سیرت پر اسی علاقہ کا گہرا اثر پڑا ہے۔ کیونکہ یہی علاقہ اس کی تگ و دو کا مرکز رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کے حالات بیان کرنے میں ہم نے اسی علاقہ کو پیش نظر رکھا ہے۔

○

اخوان الصفا درجۂ عالی کے نصابِ تعلیم میں علوم فلسفہ کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ اور اس معاملے میں ان کا اپنا ایک مشہور تعلیمی مکتب فکر تھا، جو بہت حد تک جدید تعلیمی مکتب فکر سے ملتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تعلیم کی ابتدا معقولات کے بجائے محسوسات سے ہونی چاہیئے۔ چنانچہ وہ محسوسات ہی کو عقلی والہیات موضوعات کے درس و تدریس کا ذریعہ بتاتے تھے۔ چنانچہ اس طرح وہ اپنے زمانے میں اسلامی عقائد کو ایک اچھوتے اسلوب میں دقیق علمی طریقہ پر پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے طریقۂ تعلیم کا بنیادی فکر دین اور عقل میں باہم مطابقت پیدا کرنا تھا۔ جب ابن خلدون کو نظام تعلیم کے بارے میں اخوان الصفا کے ان خیالات کا علم ہوا تو اس نے ان کے نقطۂ نظر کی حمایت کی اور انہی خطوط پر خود ایک نظامِ تعلیم تجویز کیا۔

وہ کہتا ہے کہ تعلیم کا نصاب مقرر کرتے وقت یہ دو بنیادی نکات ملحوظ رہنے چاہیئں:

(۱) بچوں کی ذہنی استعداد۔

(۲) حسی معرفت کو مقدم رکھا جائے اور غیر حسی معرفت تک پہنچنے کا اساس بنایا جائے۔

{ ابوالفتوح محمدؐ التونسی۔
ماخوذ از
الرحیم، حیدر آباد }

○